اسلام میں رِبا کا تصور

مطابق فتاویٰ

آیت اللہ سید حسین مرتضیٰ نقوی

ناشر

زہرا (س) آکادمی، پاکستان

6/ر جیوانی گارڈن، جے ایم-2/208، عامل کالونی، سولجر بازار نمبر 3، کراچی

شناختِ کتاب

کتاب کا نام ------------ اسلام میں زکات اور رِبا کا تصور

مطابق فتاویٰ ------------ آیۃ اللہ سید حسین مرتضیٰ نقوی

تنظیم وتحریر -------------- ڈاکٹر طلعت سیدہ جعفری

کمپوزنگ -------------------- سجاد حسین قائمی

اشاعت اول --------- جون ۲۰۱۴ء/شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

ناشر --------------- زہرا (س) آکادمی، پاکستان

تعداد -------------------------- ۱۰۰۰

رِبا

ربا کی حرمت:

تعریف، حدود اور شبہات کا ازالہ

پیچیدگی یہ نہیں ہے کہ ربا حرام ہے یا نہیں ۔ نہ حرمت میں شک ہے اور نہ ہم کسی حیلے کے قائل ہیں پیچیدگی یہ ہے کہ ہم اچھی طرح سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کریں کہ ربائے محرم کیا ہے؟ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بعض تجارتی معاملات بھی " ربا المحرم یا حرام ربا " کے ذیل میں آتے ہیں اس بات کا تجزیہ ضروری ہے اور قرض کے باب میں جس ربا کو حرام قرار دیا جاتا ہے اسکو حلال کرنے کے لئے جن حیلوں کو بیان کیا جاتا ہے ان پر توجہ اور منطقی تحلیل کی ضرورت ہے۔

عموما احادیث میں" ربا المحرم" یعنی حرام ربا یا حرام سود کی واضح تعریف نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام ابھی تک حرام ربا کی تفہیم وتشریح میں مشکلات کا شکار ہیں اور یہ بات اس حد تک پھیل گئ ہے کہ قرآن حکیم نے ربا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اس دور کے یہود کا یہ قول بیان تھا کہ احل اللہ البیع وحرم الربا اور اب ہم اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ہم نے بیع کو بھی حرام قرار دے دیا اور خالص تجارتی معاملات کو شبہ ربوی کی بنیاد پر حرام قرار دیکر معاشرہ کی اقتصادی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔

قرآن حکیم میں ربا کی حرمت:

قرآن حکیم میں چار مقامات پر" ربا" پر گفتگو ہوئی ہے۔ وہ چار مقامات یہ ہیں :

۱۔ اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَايَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷۵ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝۲۷۶
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۲۷۷
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۷۸ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝۲۷۹ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸۰ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۲۸۱ (بقرہ: ۲: ۲۷۵-۲۸۱)

جو لوگ ربا کھاتے ہیں ان کو قیامت کے دن ان لوگوں کی طرح سے اٹھایا جائے جنہیں شیطان نے جنون میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں" تجارت،" ربا" ہی کی طرح ہے۔
اللہ جل جلالہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔

اب اگر کسی کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے اور وہ (ربا سے) رک جائے ۔تو اب تک وہ جو کچھ لے چکا ہے وہ اسی کا ہے ۔ اس کا معاملہ اللہ جل جلالہ کی طرف ہے ۔ جو اس کے باوجود دوبارہ (ربا) لےتو اس قسم کے لوگ جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے ۔

اللہ جل جلالہ ربا کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اللہ جل جلالہ کسی بھی کافر اور نافرمان سے محبت نہیں فرماتا ۔

جو لوگ ایمان لائے ، انہوں نے نیک کام انجام دیئے ،نماز قائم کی اور زکات ادا کی ان کے رب کے پاس ان کا اجر محفوظ ہے انہیں نہ ڈرنے کی ضرورت ہے نہ غم واندوہ کی ۔

اے صاحبان ایمان !

اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو ربا میں سے جو باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو ۔

اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اگر تم توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال (رأس المال) تمہارا ہی ہے ۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے گا ۔

اگر قرض لینے والا واقعی مشکل میں ہو تو تم اس کی آسانی کا خیال کرو

یاد رکھو!

اگر تم اس کو صدقہ دو (اس کو آسانی سے مہلت دے دو) تو اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے۔

تم کو اس دن کا خیال رکھنا چاہیے جب تم اللہ کی طرف پلٹ کر جاؤ

گے۔ ہر نفس کو اس نے جو کچھ کمایا ہے اس کا پورا حساب ملے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

(آل عمران:۳:۱۳۱-۱۳۰)

اے صاحبان ایمان! ربا کو بڑھا چڑھا کر یعنی کئی گنا کرے نہ کھاؤ۔ اللہ جل جلالہ کا پاس ادب کرو یقیناً تم فلاح پاؤ گے۔ اس آگ سے بچنے کی کوشش کرتے رہو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

۳۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ [۴:۱۶۱] (النساء۴:۱۶۰-۱۶۱)

جو لوگ یہود کہلاتے ہیں ان کے ظلم نیز لوگوں کو کثرت سے اللہ کے راستے سے روکنے کے سبب نیز ربا لینے کے سبب جس سے ہم نے انہیں منع کیا ہے اور لوگوں کے مال کو ناحق اور باطل کے ساتھ کھانے کے سبب ہم نے ان پر ان پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام کر دیا جو ہم نے ان پر حلال کر دی تھیں اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لئے بہت دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

۴۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُضْعِفُوْنَ﴿۳۹﴾ (الروم: ۳۰: ۳۹)

تم جو کچھ ربا کے عنوان سے اس لئے دیتے ہو کہ لوگوں کی دولت بڑھے تو یہ اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں نہیں بڑھتا لیکن وہ زکوۃ جو تم اللہ جل جلالہ کی خاطر دیتے ہو درحقیقت انہیں لوگوں کا مال بڑھتا ہے۔

حدیث میں ربا کی حرمت:

یہاں ربا کی حرمت اور قباحت کے سلسلہ میں چند حدیثوں کا ذکر کیا جا رہا ہے:

شیخ صدوق نے دوطولانی حدیثیں سلسلہ ذھبیہ سے روایت کی ہیں۔

سلسلہ ذھبیہ اس سلسلہ کو کہتے ہیں جس میں کسی امام نے اپنے آباؤ اجداد سے اپنے سلسلہ روایت کو ذکر کیا ہو۔

یوں تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجموعی طور پر یہ بات فرما دی ہے کہ ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ اپنے آباؤ اجداد سے روایت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمان الٰہی بیان فرماتے ہیں۔

بعض مقامات ایسے ہیں جہاں پر ائمہ نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ پوری سند بیان کی جائے۔

حدیث میں ہے:

عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ وَ حَمَّادِ بْنِ عُثْمَانَ وَغَيْرِهِ قَالُوا:

سَمِعْنَا أَبَا عَبْدِ اللهِ يَقُولُ:

حَدِيثِي حَدِيثُ أَبِي وَ حَدِيثُ أَبِي حَدِيثُ جَدِّي وَحَدِيثُ جَدِّي

حَدِيثُ الْحُسَيْنِ وَ حَدِيثُ الْحُسَيْنِ حَدِيثُ الْحَسَنِ وَحَدِيثُ الْحَسَنِ حَدِيثُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَ حَدِيثُ أَمِيرِالْمُؤْمِنِينَ حَدِيثُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَ حَدِيثُ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَوْلُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ.[1]

ہشام بن سالم اور حماد بن عثمان وغیرہ نے کہا: ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

میری حدیث، میرے والد ماجد کی حدیث ہے۔
میرے والد ماجد کی حدیث، میرے دادا کی حدیث ہے۔
میرے دادا کی حدیث، امام حسین کی حدیث ہے۔
امام حسین کی حدیث، امام حسن کی حدیث ہے۔
امام حسن کی حدیث، امیر المومنین کی حدیث ہے۔
امیر المومنین کی حدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے۔
نیز
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اللہ عز وجل کا فرمان ہے۔
یہ روایت اسی طرح کی روایت ہے۔
اس لئے یہ سلسلہ ذھبیہ والی روایت کہی جاتی ہے۔

رُوِيَ عَنْ شُعَيْبِ بْنِ وَاقِدٍ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الصَّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ آبَائِهِ عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ:

---

[1] کلینی: الکافی: الاصول: کتاب العقل والجہل : باب روایۃ الکتب والحدیث وفضل الکتابۃ والتمسک بالکتب: ج:1: ص:34: ح:153، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

وَ نَهَى عَنْ أَكْلِ الرِّبَا وَ شَهَادَةِ الزُّورِ وَ كِتَابَةِ الرِّبَا وَ قَالَ:
إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَعَنَ آكِلَ الرِّبَا وَ مُؤْكِلَهُ وَ كَاتِبَهُ وَ شَاهِدَيْهِ.[1]

اس طولانی روایت میں جسے امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد کے سلسلہ سے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"رباخوری، جھوٹی گواہی اور ربا کی کتابت سے منع فرمایا ہے۔"

اور ارشاد فرمایا ہے:

"بے شک اللہ عز وجل ربا کھانے اور کھلانے والے، ربا کے کاتب اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرماتا ہے۔"

رَوَى حَمَّادُ بْنُ عَمْرٍو وَ أَنَسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ جَمِيعاً عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنَّهُ قَالَ لَهُ:

يَا عَلِيُّ:

أُوصِيكَ بِوَصِيَّةٍ فَاحْفَظْهَا فَلَا تَزَالُ بِخَيْرٍ مَا حَفِظْتَ وَصِيَّتِي:.....

يَا عَلِيُّ!

الرِّبَا سَبْعُونَ جُزْءاً فَأَيْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ فِي بَيْتِ اللَّهِ الْحَرَامِ

يَا عَلِيُّ:

---

[1] صدوق، من لا یحضر: باب ذکر جمل من مناہی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آغاز جلد 4): ج:4: ص:582: ح:5746: ط: الامیرة، بیروت: 1429ھ/2008ء

دِرْهَمٌ رِبًا أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ سَبْعِينَ زَنْيَةً كُلُّهَا بِذَاتِ مَحْرَمٍ فِي بَيْتِ اللّٰهِ الْحَرَام.......الی آخر الحدیث [1]

اس طولانی حدیث میں جو حدیث سلسلۃ الذھب ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو ایک وصیت کی ہے۔اس وصیت میں ایک مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے علیؑ!

ربا کے ستر حصے ہیں۔اس کا سب سے کمتر حصہ یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص خانۂ کعبہ میں (نعوذ باللہ) اپنی ماں کے ساتھ بدفعلی کرے۔

اے علیؑ!

ایک درہم ربا کا کھانا اللہ عزوجل کے نزدیک ایک شخص کے ان ستر (۷۰) زناؤں سے زیادہ بڑا گناہ ہے جو کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر انجام دے۔

قرآن حکیم کی ان آیتوں اور ان احادیث اور اس طرح کی بہت سی دوسری حدیثوں کی موجودگی میں ربا کی حرمت اور اس حرمت کی سنگینی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن ربا کیا ہے؟ اس کی حدیں کیا ہیں؟ اور کیا مشتبہ مقامات میں پرہیز ضروری ہے؟

ربا کیا ہے؟

اصولی طور پر سب پر یہ بات عیاں ہے کہ جب بھی قرآن حکیم میں کوئی ایسا حکم آیا ہے جس کی وضاحت ضروری تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔جن احکام کی وضاحت

---

[1] صدوق، من لا یحضر: باب النوادر وھو آخر ابواب الکتاب: ج:4: ص:721: ح:5764: ط: الامیرۃ، بیروت: 1429ھ/2008ء

نہ قرآن حکیم میں موجود ہے نہ ہی احادیث نبوی ﷺ میں۔ یہ احکام عقلی یا عقلائی کہلاتے ہیں۔ یہ وہ احکام ہیں جو معاشرہ میں اجنبی نہیں تھے اور عام طور سے لوگ ان کے بارے میں اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ان میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی، ربا اسی قسم کا حکم ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء اسلام نے بھی ربا کی تعریف پر کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ ان کی نظر میں یہ بدیہیات میں سے تھا۔

ربا، ایک ایسی برائی ہے جو صدیوں سے چلی آ رہی ہے تمام انبیاء اس کی حرمت کا حکم لے کر آئے اور دنیا کے تمام بڑے فلسفی اس لعنت کی بیخ کنی میں پیش پیش رہے۔ ارسطو کی ربا سے مخالفت اور اس کے خلاف ارسطو کی تحریک تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

لیکن نامعلوم اسباب کی بناء پر بیسویں صدی عیسوی سے مسلمانوں کے درمیان ربا کے بارے میں بہت سے شبہات پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ یہ الجھنیں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔اس لئے آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ربا کی تعریف معین کی جائے۔

ربا کی تعریف:

"ربا" کے لغوی معنی ہیں: ایسا اضافہ جو کسی خدمت کے بغیر لیا یا دیا جائے۔

شریعت میں "ربا الحرم" سے مراد وہ زیادہ رقم یا چیز ہے جو "دین" یعنی ایسے قرض پر جس کو تحریری طور پر لیا یا دیا گیا ہو، دیتے وقت یا دینے کے بعد شرط کر کے یا مطالبہ کر کے قرض خواہ قرض لینے والے سے لے جبکہ اس زیادتی کے مقابلہ میں اس نے قرض لینے والے کے لئے کوئی ایسا کام یا خدمت انجام نہ دی ہو جس کے مقابلہ میں یہ اضافہ طلب کر رہا ہو۔

یہ ربا جس طرح مسلمان اور مسلمان کے درمیان حرام ہے اسی طرح مسلمان اور مشرک کے درمیان بھی حرام ہے۔[1]

وضاحت:

یہ اضافہ اگر کسی خدمت کے عوض یعنی بدلے یا معاوضہ میں ہو تو جائز ہے۔
مستحب ہے کہ قرض لینے والا قرض کی ادائیگی کے موقعہ پر حتی الامکان قرض دینے والے کے احسان کے بدلہ کے طور پر خود سے کچھ اضافی رقم یا چیز اس کو دے۔
بلاعوض اضافہ ادھار دینے والے کی طرف سے طلب نہ کیا گیا ہو یا ادھار کے معاملہ کی شرط نہ ہو۔ ادھار لینے والا ادھار کی ادائیگی کے موقعہ پر دے۔ اس کا دینا اور لینا دونوں مستحب ہے۔
یہ وہ " ربا" ہے جو نہ صرف عہد نبوی ﷺ اور عہد ائمہ میں عام تھا، بلکہ یہ عہد نبوی ﷺ سے پہلے بھی رائج تھا اور آج بھی دنیا کے مختلف علاقوں میں رائج ہے۔

حرام ربا کی شرطیں:

اگر اس" ربا" کی تاریخی اور عقلی تحلیل کی جائے تو ہمیں اس ربا میں چند صفات یا چند شرطیں نظر آتی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

1. " ربا" ایسی رقم یا چیز سے دیئے ہوئے" دین" پر ہو گا جو جمع کی ہوئی بیکار رکھی ہو۔ نہ وہ ذاتی تجارت میں لگی ہو نہ ہی وہ ملیّ ، ملکی یا اجتماعی تجارت کا حصہ ہو۔ یعنی" ربا الحرم" کا تعلق ایسی رقم یا چیز سے دیئے جانے والے" دین" پر اضافہ کی طلب پر ہو گا جو" احتکار" کی گئی ہو۔
2. قرض دینے والا شخص براہ راست اس رقم یا چیز کا مالک ہو۔ یہ رقم یا چیز کسی اور کی ملکیت نہ ہو۔ اس کے پاس عاریہ یا کسی اور عنوان سے نہ رکھوائی گئی ہو۔
3. " دین" مدت دار ہو اور اس کی مدت ایک سال سے زیادہ نہ ہو۔
4. احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ" ربا الحرم" کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ قرض یا دَین دینے اور لینے والے کے درمیان قریبی رشتہ داری نہ ہو یعنی وہ آپس میں

باپ، بیٹے یا میاں، بیوی نہ ہوں۔

5. یہ اضافہ ایسا ہو جس کے بدلے یا مقابلہ میں قرض یا دَین دینے والے نے کوئی ایسی خدمت انجام نہ دی ہو جس کے بدلے اسے اضافہ لینے کا حق حاصل ہو۔

" ربا المحرم" کی اس تعریف اور شرائط کے بعد بہت سے ایسی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں جس کے سبب عام مسلمان مشکلوں میں گھرے ہوئے ہیں۔

مثلا یہ جو کہا جاتا ہے کہ تجارتی معاملات میں یا فکس ڈیپازٹ fix depost یا بینک میں بچت اکاؤنٹس میں جو معین فی صد منافع دیا جاتا ہے وہ اس لیے" ربا المحرم" یا حرام سود یا سود ہے کہ وہ پہلے سے معین کر دیا جاتا ہے۔ اس سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک تجارتی معاملہ ہے اس میں شراکت کا عنصر شامل ہوتا ہے اور چونکہ فکس ڈیپارٹ رکھنے والا غیر عامل شریک sleeping partner ہوتا ہے اس لیے عامل شریک active partner اس کی رضایت سے تجارت میں حاصل ہونے والے نفع میں سے اس کی دی ہوئی رقم کی فی صد کے مطابق نفع ادا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

یہ ضمانت اس تعہد کے ساتھ دی جاتی ہے کہ تجارت میں ہونے والے نقصان میں عامل شریک غیر عامل شریک کو شامل نہیں کرے گا۔

اس لیے وہ تجارت کے اتار چڑھاؤ کے اصولوں کے مطابق ایسا فی صد معین کرتا ہے کہ اگر اسے نقصان اٹھانا پڑے تو ایسا نہ ہو کہ وہ اس نقصان میں بہت زیادہ گھاٹے میں رہے۔ وہ اس طرح حساب کر کے فی صد معین کرتا ہے کہ نفع کے دوران نقصان کے موقعہ کا حق اپنے پاس محفوظ کر سکے۔

یہ چونکہ ایک تجارتی عمل کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے یہ" ربا المحرم" یا حرام سود" کی تعریف سے خارج ہے۔

پھر یہ کہ اس قسم کی رقم قرض یا دین کے طور پر نہ تو دی جاتی ہے نہ ہی لی جاتی ہے۔ بلکہ اس کا تعہد تجارتی ہی ہوتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے بہت سے مسائل اس تعریف پر غور کرنے اور توجہ کرنے سے حل ہو

جاتے ہیں۔

لاعلمی یعنی جہل و شک کی صورت میں ربا کا حکم:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ يَأْكُلُ الرِّبَا وَ هُوَ يَرَى أَنَّهُ لَهُ حَرَامٌ قَالَ: لَا يَضُرُّهُ حَتَّى يُصِيبَهُ مُتَعَمِّداً فَإِذَا أَصَابَهُ مُتَعَمِّداً فَهُوَ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِي قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ.[1]

امام علیہ السلام سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو رباخوار ہے۔اسے اب پتہ چلا کہ ربا حرام ہے۔امام علیہ السلام نے فرمایا:
جب تک کوئی ارادتاً ربا کو ربا سمجھ کر نہ کھائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر ارادتاً کھائے تو محارب ہے۔

أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْوَشَّاءِ، عَنْ أَبِي الْمَغْرَاءِ، عَنِ الْحَلَبِيِّ، قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام:

كُلُّ رِبًا أَكَلَهُ النَّاسُ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا، فَإِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُمْ إِذَا عُرِفَ مِنْهُمُ التوبه۔

وَ قَالَ: لَوْ أَنَّ رَجُلًا وَرِثَ مِنْ أَبِيهِ مَالًا وَ قَدْ عَرَفَ أَنَّ فِي ذٰلِكَ الْمَالِ رِبًا وَ لٰكِنْ قَدِ اخْتَلَطَ فِي التِّجَارَةِ بِغَيْرِهِ حَلَالٍ، كَانَ حَلَالًا طَيِّباً، فَلْيَأْكُلْهُ، وَ إِنْ عَرَفَ مِنْهُ شَيْئاً أَنَّهُ رِبًا، فَلْيَأْخُذْ

[1] کلینی: الکافی: کتاب المعیشہ: باب الربا: ج:۵:ص:684، ح:4837، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

رَأْسَ مَالِهِ، وَلْيَرُدَّ الرِّبَا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ أَفَادَ مَالًا كَثِيراً قَدْ أَكْثَرَ فِيهِ مِنَ الرِّبَا، فَجَهِلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ عَرَفَهُ بَعْدُ، فَأَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ فِيمَا مَضٰى، فَلَهُ، وَيَدَعُهُ فِيمَا يَسْتَأْنِفُ.[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ہر وہ ربا جو لوگ جہالت اور لاعلمی کے سبب کھا لیں۔ (علم آجانے کے) بعد توبہ کر لیں۔ اگر اللہ جل جلالہ کے نظر میں انکی توبہ سچی ہوگی تو، یہ توبہ، ضرور قبول ہو جائے گی۔

نیز فرمایا:

کسی کو اپنے باپ سے وراثت میں مال ملے۔ اسے معلوم کہ اس مال میں ربا ہے۔ لیکن یہ ربا اس کے حلال تجارتی اموال کے ساتھ مل (مخلوط ہو) گیا ہو۔ (اس کا الگ کرنا ممکن نہ ہو یا اس کی مقدار معلوم نہ ہو)۔ یہ اس کے لئے حلال وطیب ہے۔ وہ اسے اپنے استعمال میں لائے۔ اسے کھائے پیئے۔

اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس میں سے ایک معین رقم یا کسی معین چیز میں ربا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کے مالک کو پہنچائے۔ فقط اصل یعنی راس المال کو اپنے استعمال میں لائے۔

کسی شخص نے بہت زیادہ دولت کمائی ہو، اس میں بہت زیادہ ربا ہو، اسے معلوم نہ ہو کہ یہ ربا ہے۔ پھر اسے معلوم ہو جائے کہ وہ ربا کما تا اور کھا تا رہا ہے۔ اب وہ اپنے ماضی سے نجات چاہتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آئندہ اس سے پرہیز کرے (ماضی میں جو کچھ کر چکا ہے وہ اس کے لئے حلال اور معاف ہے)۔

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الْحَلَبِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ قَالَ:

أَتَى رَجُلٌ أَبِي، فَقَالَ: إِنِّي وَرِثْتُ مَالًا وَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ صَاحِبَهُ الَّذِي وَرِثْتُهُ مِنْهُ قَدْ كَانَ يَرْبُو وَ قَدْ أَعْرِفُ أَنَّ فِيهِ رِبًا وَ أَسْتَيْقِنُ ذَلِكَ وَ لَيْسَ يَطِيبُ لِي حَلَالُهُ لِحَالِ عِلْمِي فِيهِ وَ قَدْ سَأَلْتُ فُقَهَاءَ أَهْلِ الْعِرَاقِ وَ أَهْلِ الْحِجَازِ فَقَالُوا لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ فَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ :

إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ بِأَنَّ فِيهِ مَالًا مَعْرُوفاً رِبًا وَ تَعْرِفُ أَهْلَهُ فَخُذْ رَأْسَ مَالِكَ رُدَّ مَا سِوَى ذَلِكَ وَ إِنْ كَانَ مُخْتَلِطاً فَكُلْهُ هَنِيئاً مَرِيئاً فَإِنَّ الْمَالَ مَالُكَ وَ اجْتَنِبْ مَا يَصْنَعُ صَاحِبُهُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ وَضَعَ مَا مَضَى مِنَ الرِّبَا وَ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ مَا بَقِيَ فَمَنْ جَهِلَهُ وَسِعَ لَهُ جَهْلُهُ حَتَّى يَعْرِفَهُ فَإِذَا عَرَفَ تَحْرِيمَهُ حَرُمَ عَلَيْهِ وَ وَجَبَتْ عَلَيْهِ فِيهِ الْعُقُوبَةُ إِذَا رَكِبَهُ كَمَا يَجِبُ عَلَى مَنْ يَأْكُلُ الربا.[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک شخص میرے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی: مجھے وراثت میں مال ملا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جس شخص سے یہ وراثت مجھ تک پہنچی ہے وہ حرام ربا لیا کرتا تھا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ اس کا حلال اور پاکیزہ مال بھی میرے لئے پاکیزہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے عراق اور حجاز کے فقہا سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا تمہارے لئے اس کا استعمال حرام ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

☆ اگر تمہیں معلوم ہے، کونسا یا کتنا مال ربا سے متعلق ہے اور تم اس مال کے مالک کو بھی

---

[1] ی: الکافی: الفروع : کتاب المعیشہ : باب الربا: ج: ۵: ص:684، ح: 4839، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

جانتے ہو، تو راس المال رکھ لو اور باقی مال اصل مال کے مالکوں کو پہنچا دو۔ اگر یہ مال ایک دوسرے سے مل چکا ہو (اس کی مقدار معلوم نہ ہو یا اسے الگ نہ کیا جا سکتا ہو) تو اسے اطمینان کے ساتھ پاک و پاکیزہ سمجھ کر کھاؤ یا استعمال کرو۔ یہ مال تمہارا ہے۔ البتہ آئندہ اس کام سے بچو، جو اس مال کا پرانا مالک کرتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ نے ربا میں سے ماضی میں لئے ہوئے کو معاف فرما دیا تھا۔ باقی رہ جانے والے (بعد میں لئے جانے والے) کو حرام قرار فرمایا تھا۔

☆ اس لئے جس کو علم نہ ہو اس کو اپنی اس لاعلمی کے سبب اس وقت تک مہلت ہے جب تک اسے اس کی حرمت کا یقین نہیں ہو جاتا۔ (یعنی جہاں شبہ ہو کہ یہ ربا ہے یا نہیں وہاں جواز کا حکم آئے گا)۔ اب علم اور یقین ہونے کے بعد اگر وہ اس سے نہ رکے تو اس پر ربا خوار کا حکم آئے گا۔ اسے وہی سزا ملے گی جو ایک ربا خوار کی ہے۔

عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا، عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ وَ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ جَمِيعاً، عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي الرَّبِيعِ الشَّامِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَنْ رَجُلٍ أَرْبَى بِجَهَالَةٍ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَتْرُكَهُ؟

فقَالَ: أَمَّا مَا مَضى فَلَهُ، وَ لْيَتْرُكْهُ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ «. ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رَجُلًا أَتى أَبَا جَعْفَرٍ عليه السلام، فَقَالَ: إِنِّي قَدْ وَرِثْتُ مَالًا وَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ صَاحِبَهُ كَانَ يُرْبِي «9»، وَ قَدْ سَأَلْتُ فُقَهَاءَ أَهْلِ الْعِرَاقِ وَ فُقَهَاءَ أَهْلِ الْحِجَازِ، فَذَكَرُوا أَنَّهُ لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ. فَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: إِنْ كُنْتَ تَعْرِفُ مِنْهُ شَيْئاً مَعْزُولًا تَعْرِفُ أَهْلَهُ وَ تَعْرِفُ أَنَّهُ رِبًا، فَخُذْ رَأْسَ مَالِكَ، وَ دَعْ مَا سِوَاهُ، وَ إِنْ كَانَ الْمَالُ مُخْتَلِطاً، فَكُلْهُ هَنِيئاً مَرِيئاً؛ فَإِنَّ الْمَالَ

مَالُكَ، وَاجْتَنِبْ مَا كَانَ يَصْنَعُ صَاحِبُكَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ وَضَعَ مَا مَضَى مِنَ الرِّبَا، فَمَنْ جَهِلَهُ وَسِعَهُ أَكْلُهُ، فَإِذَا عَرَفَهُ حَرُمَ عَلَيْهِ أَكْلُهُ، فَإِنْ أَكَلَهُ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ وَجَبَ عَلَيْهِ مَا وَجَبَ عَلَى آكِلِ الرِّبَا۔ [1]

ابی ربیع شامی کہتے ہیں، میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

ایک آدمی جہالت اور لاعلمی کے سبب ربا کا کام کرتا رہا۔ اب (اسے علم ہو گیا تو) اس نے ارادہ کیا اسے چھوڑ دے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

جو کچھ وہ اب تک کما چکا ہے وہ اس کا مال ہے۔ آئندہ ایسا نہ کرے۔

پھر فرمایا:

ایک شخص میرے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی:

مجھے وراثت میں مال ملا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جس شخص سے یہ وراثت مجھ تک پہنچی ہے وہ حرام ربا لیا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں، میں نے عراق اور حجاز کے فقہاء سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا:

تمہارے لئے اس کا استعمال حرام ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اگر تمہیں معلوم ہے، کونسا یا کتنا مال ربا سے متعلق ہے؟ تم اس مال کے مالک کو بھی جانتے ہو، تو راس المال رکھ لو۔ باقی مال اصل مال کے مالکوں کو پہنچا دو۔ اگر یہ مال ایک دوسرے سے مل چکا ہو (اس کی مقدار معلوم نہ ہو یا اسے الگ نہ کیا جا سکتا ہو) تو اسے اطمینان کے ساتھ پاک و پاکیزہ سمجھ کر کھاو یا استعمال کرو۔ یہ مال تمہارا ہے۔ البتہ آئندہ اس کام سے بچو جو اس مال کا پرانا

---

[1] کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب الربا: ج:۵: ص:685، ح:4843، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

مالک کرتا تھا۔

کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے ربا میں سے ماضی میں لئے ہوئے کو معاف فرما دیا تھا اور باقی رہ جانے والے کو حرام قرار فرمایا تھا۔

اس لئے جس کو علم نہ ہو اس کو اپنی اس لاعلمی کے سبب اس وقت تک مہلت ہے جب تک اسے اس کی حرمت کا یقین نہیں ہو جاتا۔ (یعنی جہاں شبہ ہو کہ یہ ربا ہے یا نہیں وہاں جواز کا حکم آئے گا)۔اب علم اور یقین ہونے کے بعد اگر وہ اس سے نہ رکے تو اس پر ربا خوار کا حکم آئے گا اور اسے وہی سزا ملے گی جو ایک ربا خوار کی ہے۔

نادر حکم:

اس قسم کی روایات کی روشنی میں ہمیں "ربا المحرم" کے بارے میں ایک واضح اور نادر حکم ملتا ہے۔ عام طور سے فقہ میں اصول یہ ہے کہ شک کے موقع پر اصل کے مطابق عمل کیا جائے۔ ربا کے باب میں اصل حرمت ہے اسی وجہ سے اکثر فقہاء مشکوک بہ ربا معاملات، یعنی ان معاملات کو حرام قرار دیتے ہیں جن کے بارے میں یہ شک یا شبہ ہو کہ ان میں ربا ہے یا نہیں؟ یہ روایات بتاتی ہیں کے جہل اور شک میں حاصل ہونے والا مال اگر واقعا ربا ہی ہو تب بھی اس وقت تک حلال ہے جب تک اس کی حرمت کا علم اور یقین نہ ہو جائے۔

مندرجہ بالا روایتوں کے مطالعہ کے نتیجہ میں انکے ظاہر اور عمق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن معاملات میں شبہ ربوی ہو وہ حلال ہیں۔صرف وہی معاملات حرام ہیں جہاں ربا کا یقین ہو۔

اگر کسی شخص کو کسی معاملہ کے بارے میں یہ شک ہو کہ معاملہ ربوی اور حرام ہے یا غیر ربوی اور حلال؟ وہاں اس کے لئے یہ معاملہ جائز اور حلال ہے۔

ان روایتوں میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ ایسے موقعہ پر مکلف کے لئے تحقیق یا اطمینان حاصل کرنا ضروری ہے کہ معاملہ ربوی ہے یا نہیں؟ بلکہ صاف طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ

لاعلمی کی صورت میں معاملات کی انجام دہی اس وقت تک مشروعیت رکھتی ہے اور جائز وحلال ہے جب تک اس کے حرام اور ربوی ہونے کا علم حاصل نہ ہوجائے ۔علم حاصل ہونے کی صورت ہونے کی صورت میں بھی جو معاملات انجام پا چکے ہیں یا جو منفعتیں اور آمدنی خرچ ہوچکی ہے یا حلال مال کے ساتھ اس طرح مخلوط ہوچکی ہے کہ اس کی کمیت کا علم حاصل نہیں ہوسکتا ہو یا اسکا جدا کرنا مشکل یا ناممکن ہو یا جس معاملہ یا مالک کا علم نہ ہوتو وہ بھی اس کے لئے حلال ہیں ۔

اس آخری روایت میں اس حکم کے بیان کے لئے ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے خود قرآن حکیم کی آیت تحریم ربا:

فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَ مَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُون

(بقرہ:۲۷۵)

سے استدلال فرماتے ہوئے خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عمل سے بھی استناد فرماتے ہوئے ارشادفرمایا ہے:

" کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ و آلہ وسلم نے ربا میں سے ماضی میں لئے ہوئے کو معاف فرما دیا تھا اور باقی رہ جانے والے کوحرام قرارفرمایا تھا۔"

اس آیہ کریمہ میں صاف طور یہ بات کہی گئی ہے کہ حرمت ربا کا اطلاق اور اس کا عذاب یا اس کی سزا کا استحقاق اللہ کی طرف سے" موعظہ" کے پہنچنے (توبہ کرنے) کے بعد ہے ۔اس سے پہلے نہیں۔ البتہ حکم کے پہنچنے کے بعد کوئی شخص توبہ کر لے اور اس توبہ کا احترام نہ کرے تو وہ سزا کا مستحق ہوجاتا ہے۔

حدیث میں ہے:

عَنْهُ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْخَزَّازِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ:

دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى أَبِي جَعْفَرٍ مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ قَدْ عَمِلَ بِالرِّبَا حَتَّى كَثُرَ مَالُهُ ثُمَّ إِنَّهُ سَأَلَ الْفُقَهَاءَ فَقَالُوا لَيْسَ يُقْبَلُ مِنْكَ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ تَرُدَّهُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَجَاءَ إِلَى أَبِي جَعْفَرٍ فَقَصَّ عَلَيْهِ قِصَّتَهُ فَقَالَ لَهُ أَبُو جَعْفَرٍ :

مَخْرَجُكَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ:

فَمَنْ جاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهى فَلَهُ ما سَلَفَ وَ أَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ

(البقرة-:۲: ۲۷۵)

وَ الْمَوْعِظَةُ التَّوْبَةُ.[1]

محمد بن مسلم کہتے ہیں :

ایک خراسانی امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں آیا ۔ اس نے کافی عرصہ ربا کا کام کیا تھا ۔ یہاں تک کہ اس کے پاس بہت سا مال جمع ہو گیا تھا ۔ پھر اس نے اس بارے میں مختلف فقہاء سے سوال کیا ۔ سب ہی نے یہ کہا کہ : تمہاری کوئی عبادت اس وقت نہیں ہو سکتی جب تک کہ تم ان اموال کو ان کے مالکوں کو نہ لوٹا دو ۔

اس لئے ، وہ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس نے اپنے حالات بیان کیے ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

تمارے لیے اس مشکل سے نکلنے کا راستہ اللہ کی کتاب سے ہے کہ ارشاد رب العزت ہے :

جس کے پاس اللہ کی جانب سے موعظہ آ جائے (توبہ کی توفیق حاصل ہو جائے) پھر وہ اس سے رک جائے ۔تو جو کچھ ہو چکا ہے وہ سب اس کا ہے ۔ اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف پلٹنا ہے ۔

پھر فرمایا:

یہاں،" الموعظہ" سے مراد توبہ ہے۔

ان تمام روایتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاملہ کو فقط شبہ کی بنا پر" ربا المحرم" کہنا شرعی طور پر درست نہیں ہے۔ اس لیے اب ان موارد کا ذکر ضروری ہے جو" ربا المحرم" کے ذیل میں نہیں آتے" ربا المحرم" سے خارج ہیں۔

جو چیزیں" ربا المحرم" سے خارج ہیں:

" ربا المحرم" گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھلم کھلا جنگ کے برابر ہے۔ ربا کسی بھی صورت میں کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔ نہ ہی اس میں کسی قسم کی تخصیص کی صورت نکالی جاسکتی ہے۔

کیونکہ:

الف: شریعت میں ربا اپنی واقعی اور عقلی قباحت یعنی برائی کے سبب حرام کیا گیا ہے۔

ب: احکام عقلی میں عام طور سے تخصیص کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اس لیے،

احادیث میں جو ایسے موارد ملتے ہیں جو ظاہری طور پر ربا میں تخصیص کی طرف دلالت کرتے ہیں، جیسے:

ا۔ باپ بیٹے، شوہر بیوی نیز مسلمان اور کافر حربی کے درمیان اضافہ کا لین دین:

☆ میاں بیوی کے درمیان

☆ باپ بیٹے کے درمیان

☆ مسلمان اور کافر حربی کے درمیان بلاعوض اضافہ کا لین دین جائز و مباح ہے۔ [1]

دراصل یہ حقیقتِ ربا سے خارج ہیں۔ یہ تحفہ و ہدیہ کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس قسم کے

---

[1] کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب انہ لیس بین الرجل و بین ولدہ و ما یملکہ ربا: ج: ۵: ص:685-686، ح:484 اور 485، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

موارد موضوعاً حکمِ ربا سے خارج ہیں۔

الْقَرْضُ يَجُرُّ الْمَنْفَعَةَ:

مستحب ہے کہ قرض لینے والا، اگر اس کے لیے ممکن ہوتو، قرض دینے والے کو ہدیہ کے طور پر کچھ دے۔

حدیث میں ایسے قرض کو "القرض یجر منفعته" کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے:

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ بِشْرِ بْنِ مَسْلَمَةَ وَ غَيْرِ وَاحِدٍ عَمَّنْ أَخْبَرَهُمْ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ:

خَيْرُ الْقَرْضِ مَا جَرَّ مَنْفَعَةً.[1]

بہترین قرض وہ ہے جو نفع آور ہو!

عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ وغیرہ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَنِ الرَّجُلِ يَسْتَقْرِضُ مِنَ الرَّجُلِ قَرْضاً وَ يُعْطِيهِ الرَّهْنَ إِمَّا خَادِماً وَ إِمَّا آنِيَةً وَ إِمَّا ثِيَاباً فَيَحْتَاجُ إِلَى شَيْءٍ مِنْ مَنْفَعَتِهِ فَيَسْتَأْذِنُهُ فِيهِ فَيَأْذَنُ لَهُ قَالَ:

إِذَا طَابَتْ نَفْسُهُ فَلَا بَأْسَ.

قُلْتُ: إِنَّ مَنْ عِنْدَنَا يَرْوُونَ أَنَّ كُلَّ قَرْضٍ يَجُرُّ مَنْفَعَةً فَهُوَ فَاسِدٌ.

فَقَالَ:

أَوَلَيْسَ خَيْرُ الْقَرْضِ مَا جَرَّ مَنْفَعَةً.[1]

محمد بن مسلم وغیرہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کسی سے قرض لے اور اس کے بدلے قرض دینے والے کے پاس اپنا نوکر یا برتن یا کپڑے رہن رکھوائے۔ قرض دینے والے کو ان چیزوں کے استعمال کی ضرورت محسوس ہو۔ وہ مالک یعنی قرض لینے والے سے اجازت لے۔ مالک اجازت دے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اگر وہ خوشی خوشی اجازت دے دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

میں نے عرض کی:

ہمارے وہاں تو ایسے لوگ ہیں جو روایت کرتے ہیں کہ ایسا قرض جو منفعت پہنچائے فاسد ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

کیا وہ قرض اچھا نہیں ہے جو فائدہ پہنچائے!؟

ان روایتوں میں وہ قرض مراد ہے جس میں اضافہ کی شرط نہ ہو۔ مگر قرض لینے والا اپنی خوشی سے قرض دینے والے کو کوئی فائدہ پہنچائے۔ اگر قرض لینے والا، بغیر شرط کے اپنی خوشی سے قرض دینے والے کو اضافہ دے تو یہ "ربا المحرم" سے خارج ہے۔ اس کا لینا اور دینا دونوں جائز بلکہ دینا مستحب ہے۔

عام طور سے ربا سے بچنے کے لیے جو راستے حیلۂ شرعی کے عنوان سے تجویز کیے جاتے ہیں وہ بھی سب کے سب غلط ہیں۔

کیونکہ،

جو چیز معاشرتی اقتصادیات کی تباہی کا سبب نیز اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ

---

[1] کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب القرض یجر منفعتہ: ج:۵: ص:743، ح:5331، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

راست اور کھلم کھلا جنگ ہے وہ حقیقتِ ربا ہے۔ یہ ظاہری شکل کی تبدیلی کے سبب جائز نہیں ہوسکتی۔

ادھار کے معاملہ میں مشروط اضافہ ربا اور حرام ہے۔

یہ اضافہ:

☆ اسی جنس سے ہو، جو جنس ادھار دی گئی ہو۔

☆ کسی منفعت کی صورت میں۔

ہر صورت میں حرام اور گناہانِ کبیرہ ہے۔

مثال کے طور پر:

لاکھ روپے اس شرط پر ادھار دیئے یا لیے جائیں کہ اس کے ساتھ ہزار یا دس ہزار روپے اضافہ لیے یا دیئے جائیں گے۔

اس کے ساتھ دس گز یا ایک تھان کپڑا اضافہ لیا یا دیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ادھار دینے والا ادھار لینے والے کی گاڑی یا مکان سے استفادہ کر سکے گا۔

اس کے ساتھ ادھار لینے والا اپنا مکان یا گاڑی ادھار دینے والے کو کرایہ پر دے گا۔

یہ تمام صورتیں، حرام ربا ہیں۔ ان پر عمل گناہِ کبیرہ اور حرام ہے۔

البتہ،

اگر مکان، دوکان، گاڑی یا کوئی اور چیز کرایہ پر دی جائے۔ کرایہ میں شرط کی جائے کہ کرایہ دار مالک کو وثیقہ، رہن یا ضمانت کے طور پر ایک رقم یا کوئی چیز ادھار دے تو یہ شرط صحیح ہے۔ اس پر عمل جائز ہے۔ یہ ربا نہیں شمار ہوگا۔

کیونکہ،

بنیادی معاملہ اجارہ ہے۔ ادھار کی شرط، "شرطِ ضمنِ عقد" ہے۔ یہ ادھار کے مقابلہ میں اضافہ کی شرط نہیں ہے۔ جو ربا، حرام کیا گیا ہے وہ فقط ادھار کے لین دین سے تعلق رکھتا ہے۔ صرف اس ربا کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔

یہ ربا، تمام الٰہی شریعتوں میں سختی اور تاکید کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے۔ فقہی اصطلاح

میں اسے" حرام مؤکد" کہتے ہیں۔

ربا کی یہ حرمتِ مؤکدہ بطور مطلق ہے۔ یہ ان تمام چیزوں میں ہے جو قرض دی یا لی جاسکتی ہیں۔اس کا تعلق فقط پیسہ روپے کے ادھار سے نہیں ہے۔

عام طور سے اس بارے میں جو کچھ حیلۂ شرعی کے عنوان سے کہا گیا ہے وہ رباء معاملی سے مخصوص ہے۔رباء معاملی دراصل عقلاء،عرف اور شریعت کسی کی نظر میں بھی ربا نہیں کہلاتا۔عرف اور شریعت کی نظر میں جو حرام ہے وہ "ربا النسیہ" ہے۔جس کی تعریف بیان کی جا چکی ہے۔ عہد نبوی و ائمہ میں مدینہ میں یہودیوں کا زور تھا وہ رباء معاملی کو حرام سمجھتے تھے، اس لیے ائمہ نے مومنین کو تہمت سے نجات دلانے کے لیے یہ حیلے بیان فرمائے۔

رباء معاملی:

رباء معاملی یہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک کیلو زیادہ قیمت کے چاول کے بدلے میں دو کیلو کم قیمت کے چاول لئے یا دیے جائیں۔خواہ ان دو کیلو چاولوں کی قیمت ایک کیلو چاول کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ ایک کیلو آٹے کے بدلے ایک کیلو سے زیادہ گندم یا ایک کیلو شکر کے بدلے ایک کیلو سے زیادہ گڑ وغیرہ کا ردوبدل بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔مومنین ان باتوں سے شبہ میں مبتلا ہوتے تھے اس لیے مختلف اوقات پر طرح طرح سے سوال کرتے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر معاشرہ میں بہت سے ایسے مسائل ہوتے ہیں جن میں عوام الناس، کم پڑھے لکھے اور نیم متدین افراد کی گفتگو اور بلند بانگ دعوؤں کی وجہ سے مشوش رہتے ہیں، ان کے اذہان کی تشویش اور الجھن کو دور کرنا ایک پیچیدہ عمل ہوتا ہے۔

پرہیز گار علماء اور دینی ماہرین، اس قسم کے شبہات کو لوگوں کے ذہن سے نکالنے اور ان کے ذہن اس قسم کی تشویش سے آزاد کرنے کے لیے گونا گوں طریقے اختیار کرتے ہیں۔

اس لئے ہم جب روایات میں ایک ہی موضوع پر مختلف قسم کے جوابات کا مشاہدہ و مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہلبیت کی اس مشکل کا اندازہ ہوتا ہے جو انہیں اپنے

دور کے کم پڑھے لکھے اور نیم متدین افراد کی طرف سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں ،تشویش اور الجھنوں کے مقابلہ میں پیش آتی تھی ۔ اس کے ساتھ اس مہارت وحکمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ مختلف طریقوں سے ان غلط فہمیوں ،تشویش اور الجھنوں کا مداوا فرماتے تھے ۔

بظاہر رسول اکرم ﷺ نے ائمہ اہلبیت کی حدیثوں کے بارے میں جو ارشاد ہے ۔

إِنَّ حَدِيثَ آلِ مُحَمَّدٍ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ. (1)

آل محمد علیہم السلام کی حدیث کا سمجھنا

بہت مشکل اور مہارت طلب کام ہے ۔

اس میں اسی بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک ہی موضوع پر متعدد جوابات پر مشتمل متعدد حدیثوں پر تعارض و تضاد کا حکم لگانے کے بجائے ایک ماہر عالم اور استاد کے بنائے ہوئے پزل اور معمہ کو ماہرانہ انداز میں جوڑ کر صحیح تصویر اور صحیح مفہوم نئی نسلوں کے حوالے کیا جائے ۔

اگر احادیث کو اس اصول کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے ،سمجھانے کی کوشش کی جائے تو علوم الٰہی ،علوم نبوی ﷺ اور علوم اہلبیت علیہم السلام کے ایسے نئے ابواب کھلنا شروع جائیں جو مرحلہ بہ مرحلہ ہمیں نئے سے نئے اور بلند سے بلند تر علمی اور فقہی افقوں اور منزلوں سے روشناس کرائیں ۔

یوں اس علمی اور فقہی تکامل اور ترقی کی رفتار تیز ہو جائے جس کے بغیر امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور میں تعجیل کا کوئی امکان نظر نہیں آتا ۔

گویا، دعائے فرج کا بنیادی لازمہ یہ ہے کہ فہم قرآن وحدیث میں نئے اور بلند افقوں کی

تلاش کی جائے۔

رباء معاملی کے معاملہ میں جو روایات ملتی ہیں، ان کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حرمت کے بجائے کراہت پر دلالت کرتی ہیں:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْوَشَّاءِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ:

كَانَ عَلِيٌّ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ يَكْرَهُ أَنْ يَسْتَبْدِلَ وَسْقاً مِنْ تَمْرِ خَيْبَرَ بِوَسْقَيْنِ مِنْ تَمْرِ الْمَدِينَةِ لِأَنَّ تَمْرَ خَيْبَرَ أَجْوَدُهُمَا.[1]

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا:

حضرت علی صلوات اللہ علیہ پسند نہیں فرماتے تھے (مکروہ سمجھتے تھے) کہ ایک خیبر کی ایک وسق[2] کھجور کے بدلے میں مدینہ کی دو وسق کھجوریں لیں کیونکہ خیبر کی کھجور مدینہ کی کھجور سے اچھی ہوتی تھی۔

عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ وَ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي الرَّبِيعِ الشَّامِيِّ قَالَ:

كَرِهَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ قَفِيزَ لَوْزٍ بِقَفِيزَيْنِ مِنْ لَوْزٍ وَ قَفِيزَ تَمْرٍ بِقَفِيزَيْنِ مِنْ تَمْرٍ.[3]

ابی ربیع شامی کہتے ہیں:

---

[1] کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب المعاوضۃ فی الطعام: ج:۵: ص:707، ح:5029، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

[2] وسق، پرانے زمانہ کا ایک پیمانہ جو تقریباً ۷۰/کلو پر مبنی ہوتا تھا۔

[3] کلینی: الکافی: الفروع: کتاب المعیشہ: باب المعاوضۃ فی الطعام: ج:۵: ص:707، ح: 50۳۴، ط: الامیرۃ: بیروت لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

امام جعفر صادق علیہ السلام ایک قفیز [1] بادام کو دو قفیز بادام اور ایک قفیز تمر کو دو قفیز تمر سے بدلنے کو مکروہ یعنی ناپسندیدہ سمجھتے تھے۔

صحیحہ مسلم میں بیان ہوا ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ قُلْتُ لَهُ مَا تَقُولُ فِي الْبُرِّ بِالسَّوِيقِ فَقَالَ مِثْلًا بِمِثْلٍ لَا بَأْسَ بِهِ قُلْتُ إِنَّهُ يَكُونُ لَهُ رَيْعٌ أَوْ يَكُونُ لَهُ فَضْلٌ فَقَالَ أَلَيْسَ لَهُ مَئُونَةٌ قُلْتُ بَلَى قَالَ هَذَا بِذَا وَ قَالَ إِذَا اخْتَلَفَ الشَّيْئَانِ فَلَا بَأْسَ مِثْلَيْنِ بِمِثْلٍ يَداً بِيَدٍ. [2]

محمد بن مسلم کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا:

آپ گیہوں کے ستو سے تبادلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں!؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

ہم وزن ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

میں نے عرض کی:

اگر اس میں خوشبو ہو یا وہ اس سے زیادہ قیمتی ہو تو؟

امام علیہ السلام نے پوچھا:

اس پر کچھ خرچ ہوتا ہے؟

میں عرض کی:

جی ہاں!

---

[1] قفیز پرانے زمانہ کا ایک پیمانہ تھا جس کے مختلف اوزان بیان ہوئے ہیں جو ۱۶ /کلو سے شروع ہوتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

تو یہ اس خرچ کے بدلے میں ہے۔

پھر فرمایا:

جب دونوں چیزوں میں کسی قسم کا فرق آجائے تو دو کے بدلے میں ایک کے ردو بدل میں کوئی حرج نہیں۔

اس تمام گفتگو اور تحقیق کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ" ربا المحرم" کا تعلق فقط دین یا قرض پر بغیر کسی عوض کے اضافہ لینے کے علاوہ باقی دوسرے معاملات میں" ربا المحرم" کا عمل دخل نہیں ہے۔
اگر کسی کو کسی معاملہ پر" شبہ ربوی" ہو تو اس شبہ کو نظر انداز کرنا ہی شریعت کا حکم ہے۔